*AL-AASAR Journal*
**Quarterly *Research Journal***
*www. al-aasar.com/*

***Vol. 2, No. 1 (2025)***

**Online ISSN: 3006-693X**
**Print ISSN: 3006-6921**

# سانگھڑکاصاحبِ طرز شاعر: اکبر معصوم

**خالداسحاق**

ریسرچ اسکالر، شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی جام شورو

**ڈاکٹر شذرہ حسین**

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی جام شورو

**Khalid Ishaque**
Research Scholar, Department of Urdu, University of Sindh, Jamshoro.
Khalidbajwa956@gmail.com
**Dr. Shazra Hussain**
Associate Professor, Department of Urdu, University of Sindh, Jamshoro.
Shazra.shar@usindh.edu.pk

**Abstract:**
*Akbar Masoom is one of the most prominent Urdu poets of the present day. He belonged to a small district of Sindh, Sanghar. He was born in 1960 in Sanghar. Akbar Masoom was a poet of Ghazals. He was a poet of Urdu and Punjabi Languages at the same time. His Urdu collections include "Aur Kahan Tak Jana hay" and "Besakhta". While "NinderPichle Pehar Di"is a collection of his Punjabi poetry. He also worked as a translator. As a translator, his translation of a novel "Hama-uust" by the famous novelist of Sindhi literature "Agha Saleem" is memorable. He is generally called a poet of romanticism and aesthetics. Akbar's name does not need any introduction in modern Ghazals. He holds a separate place in modern ghazals. He was also physically disabled. He was suffering from a muscle disease called proximal myopathy. Initially, he was able to walk, but after completing his college education, the disease gradually paralyzed him. Finally, with homeopathic treatment, he was only able to live in a wheelchair. Apart from the initial few years, he spent his entire life sitting in a wheelchair. Instead of complaining about his deprivations, he made pen and book a means of expression and worked hard in the service of literature and poetry all his life. He passed away on 7th April 2019. But his efforts in the literary field will always be appreciated. This article sheds light on the personality and art of Akbar Masoom.*

**Key words:** Akbar Masoom, Urdu poetry, Urdu Ghazal, District Sanghar, Sindh, Besakhta (بے ساختہ)، Aur Kahan Tak Jana Hay (اور کہاں تک جانا ہے), Nindar PichhlePeher Di (نیندر پچھلے پہر دی), Hama Aost(ہمہ اوست).

غزل اردو شعرا کی محبوب ترین صنف سخن رہی ہے اور اپنی رنگینی، رعنائی، جاذبیت، مقبولیت، مضامین اور دیگر اوصاف کی بنا پر آئندہ بھی مقبول ترین صنف یہی رہے گی۔ اردو شاعری کی ابتدا سے اب تک تمام ہی بڑے شعرا نے غزل کے گیسو سنوارے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد ماضی قریب اور دور حاضر کے شعرا نے بھی اس صنفِ سخن میں بھرپور طبع آزمائی کی ہے۔ جس کی فہرست بہت طویل ہے۔ پاکستان میں بڑے شہروں اور اردو کے بڑے مراکز میں تو ویسے بھی ان گنت مشاہیر موجود ہیں، مگر دور دراز کے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں بھی بے شمار ایسے شعرا گزر چکے ہیں نیز تاحال موجود بھی ہیں جو غزل کے خو گر تھے۔ اور انھوں نے اپنے مخصوص لب و لہجے میں نہ صرف غزل کو جِلا بخشی بلکہ نئی راہیں نکالیں اور غزل کے مضامین کو وسعت دی۔ سندھ کے ایک چھوٹے سے ضلع سانگھڑ سے تعلق رکھنے والے شاعر اکبر معصومؔ (۸، اگست ۱۹۶۰ء ۔۷، اپریل ۲۰۱۹ء) کا شمار بھی ان شعرا میں ہوتا ہے جو بے لوث ہو کر پوری زندگی اردو زبان و ادب کی خدمت میں کوشاں رہے۔ اکبر معصومؔ کی طبیعت کو شاعری میں غزل کی صنف سے فطری مناسبت تھی۔

اکبر معصوؔم کا پورا نام اکبر علی اور تخلص معصوؔم تھا۔ان کی تاریخ پیدائش کے بارے میں دو روایات موجود ہیں۔"تذکرہ شعرائے اردو: سانگھڑ" کے مصنف نے ان کی پیدائش ۱۸ اگست ۱۹۶۱ء درج کی ہے[۱]۔ جبکہ ان کی کلیات (گلِ معانی) کے پیش لفظ میں سلیم الرحمان نے ان کا سال پیدائش ۱۹۶۰ء لکھا ہے[۲]۔ان کے والد کا نام عبدالرحمن راجپوت تھا جو پیشے کے لحاظ سے گھڑی ساز تھے۔وہ گھڑی سازی کے ہنر میں مہارت رکھنے کے علاوہ شاعر، میک اپ آرٹسٹ، سیٹ ڈیزائنر اور ڈائریکٹر بھی تھے، وہ کافی عرصہ سانگھڑ آرٹ سرکل سے منسلک رہے۔اکبر معصوؔم کے والد کا تعلق مشرقی پنجاب کے شہر امرتسر سے جبکہ والدہ کا تعلق کرنال سے تھا۔مرحوم عبدالرحمن راجپوت کے تین بیٹے تھے، جن کے نام بالترتیب اکبر علی، انور علی اور ارشد علی ہیں۔تیسرے بیٹے ارشد علی بھی سانگھڑ کے اردو اور پنجابی کے نامور شعرا میں شامل ہیں۔اکبر معصوؔم نے ابتدا سے لے کر کالج تک تعلیم سانگھڑ شہر میں ہی حاصل کی۔وہ ابھی کالج میں زیرِ تعلیم تھے کہ انھیں ایک عضلاتی بیماری نے گھیر لیا جس کی وجہ سے وہ ٹھیک طرح چل نہ سکتے تھے۔بعد میں اسی بیماری کی وجہ سے تعلیم کے سلسلے کو مزید جاری نہ رکھ سکے۔تاہم مطالعہ، جو ان کی خوبی تھا تا حیات جاری رہا اور وہ مطالعہ اور احباب و اساتذہ کی رہنمائی سے اردو، انگریزی، فارسی اور سندھی زبانوں میں مہارت حاصل کرتے گئے۔۱۹۸۹ء میں ایک طبی معائنے میں یہ ظاہر ہوا کہ ا نھیں جو بیماری ہے اس کا نام "پراکسی مل مایو پیتھی" ہے۔ان کی بیماری کے بارے میں محترم سلیم الرحمٰن لکھتے ہیں:

> "۱۹۸۹ء میں ایک طبی پڑتال میں یہ انکشاف ہوا کہ اسے "پراکسی مل مایو پیتھی" ہے۔ایک ایسا عارضہ ہے جسے اب تک ڈاکٹر لا علاج ہی قرار دیتے ہیں۔اس کا کوئی درماں نہیں تھا، مگر شاید ابھی اس سانحے کی تکمیل نہیں ہوئی تھی، سو پانچ برس بعد اس کے عوارض کے حاصل جمع میں ٹی۔بی بھی شامل ہو گیا۔ایک پیچیدہ جراحتی عمل نے اکبر کو زندگی کی کچھ قلیل رعایتیں عطا کی ہیں، جس کے بعد وہ ایک وہیل چیئر تک محدود ہو گیا اور یافت کے لیے ہومیو پیتھی کو اپنا لیا، مگر نہ اس نے ہار مانی، نہ مایوسی کو قریب پھٹکنے دیا"[۳]

اکبر معصوؔم ہومیو پیتھی طریقہ علاج سے اس حد تک شفایاب ہو سکے کہ وہیل چیئر پر بیٹھ کر نقل و حرکت کر سکیں۔اس لیے انھوں نے باقاعدہ ہومیو پیتھی کی تربیت ملتان کے "ڈاکٹر خلیل الرحمٰن" سے حاصل کی اور سانگھڑ ہومیو پیتھک کالج سے ڈگری حاصل کرنے کے بعد اپنے گھر کے ہی ایک کمرے میں کلینک چلانے لگے، یہی ان کا ذریعہ معاش ٹھہرا۔

اکبر معصوؔم بے حد ذہین، وسیع النظر، وسیع القلب، کسی حد تک حساس، مہمان نواز، ادب نواز اور درویش صفت انسان تھے۔ان کے مزاج میں عاجزی و انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ان کی حسِ مزاح بہت تیز تھی۔کسی شعر کی تحریف کر کے یا کسی واقعے سے وہ کوئی لطیفہ بنانے میں ماہر تھے۔[۴]ان کی شخصیت کے بارے میں سانگھڑ شہر کے معروف صحافی اور شاعر لطیف حیدر بیان کرتے ہیں:

> اکبر معصوؔم شاعری کے علاوہ مصوری میں بھی دلچسپی رکھتے تھے۔انھوں نے مصوری کی باقاعدہ تربیت حاصل کی۔ کچھ عرصہ اقبال مہدی کے پاس کام کیا۔وہ مصوری کو کمرشل بنیادوں پر انجام دیتے تھے۔ان کے بھائی ارشد ارشؔی کے بقول ان کی بنی ہوئی چند تصاویر سندھ یونیورسٹی جام شورو میں) بھی آویزاں ہیں۔[۵]

اپنی بیماری کی وجہ سے وہ زیادہ تر تنہا رہنا پسند کرتے تھے۔کلینک کے نظام الاوقات ختم ہونے کے بعد وہ خود کو کمرے میں اکثر بند رکھتے اور مطالعہ کیا کرتے تھے۔اردو، فارسی، سندھی ادبیات کا مطالعہ خاصہ وسیع تھا۔سندھی میں شاہ عبداللطیف بھٹائی، فارسی میں روؔمی، اور اردو میں اقبؔال، غالبؔ اور میرؔ کو زیادہ پڑھتے تھے۔بلکہ اپنے احباب سے اکثر کہا کرتے کہ میرؔ کو پڑھیں۔علم العروض پر مہارت رکھتے تھے اور شہر سانگھڑ اور آس پاس کے کئی نوآموز شعرا ان سے علم العروض سیکھنے بھی آیا کرتے تھے۔سانگھڑ ضلع کے تمام شعرا اور ادیبوں سے دوستانہ مراسم تھے۔خاص طور پر ڈاکٹر قیصر افغانی جب تک سانگھڑ میں رہے اس وقت اکبر اور ڈاکٹر قیصر افغانی نے مل کر سانگھڑ میں ادبی ماحول کو خاصہ گرما رکھا تھا۔کئی مشاعرے اور ادبی نشستیں اس دور کی یادگار ہیں۔ان کے احباب میں ڈاکٹر قیصر کے علاوہ امجد اسلام امجدؔ، طارق حنیف، ڈاکٹر عزیز ابن الحسن، محمد شریف اعوان، ڈاکٹر عتیق جیلانی، سید میر اں شہاب، اسماعیل احمد انی (ایڈوکیٹ) اور پروفیسر نواز کنبھر کے نام سرِ فہرست ہیں۔اکبر نے اپنی جسمانی معذوری کو اپنی کمزوری نہیں بننے دیا گو کہ ان کی زندگی مشکلات میں کٹی لیکن وہ اپنے کلام سے جینے کا حوصلہ دیتے نظر آتے ہیں۔

اکبر معصوم ؔ نے اپنے احباب (ڈاکٹر قیصر افغانی) و دیگر کے ساتھ مل کر ۱۹۸۶ء کے اواخر یا ۱۹۸۷ء کے آغاز میں سانگھڑ شہر میں ایک ادبی تنظیم "تخلیق کار" کے نام سے قائم کی۔ اس تنظیم کے تحت سانگھڑ میں ادبی نشستوں، محافل مشاعرہ اور شعرا کے کلام پر نقد و تبصرہ کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ نو آموز شعرا کی حوصلہ افزائی کرنا اس کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد تھا۔ آج سانگھڑ شہر اور آس پاس کے علاقوں کے کئی ایسے شعرا ہیں جنھوں نے "تخلیق کار" اور اکبر کی صحبت سے اپنے فن کو جلا بخشی ہے۔ اس تنظیم کے قیام کے کچھ عرصے بعد ہی سانگھڑ میں واقع نظام ہوٹل میں ایک عظیم الشان مشاعرے کا انعقاد کیا گیا۔ جو سانگھڑ شہر کے تاریخی مشاعروں میں سے ایک ہے۔ اس مشاعرے میں سندھ بھر سے شعرا نے شرکت فرمائی۔ اس تنظیم کے قیام اور مشاعرے نے سانگھڑ کی ادبی فضا پر بہت خوشگوار اثرات مرتب کیے۔ انھوں نے اپنے احباب کی مدد سے سانگھڑ میں وہ ساز گار ماحول بنایا جو شاعری کی آفرینش کے لیے ضروری تھا۔ عرفان ستار لکھتے ہیں:

> "اکبر معصوم ؔ نے اپنے بعد آنے والی نسل کے بہت سے شعرا کے لیے نئے راستے ہموار کیے اور انھیں اس راستے پر چلنے کی ہمت بھی دی۔ بہت اچھے شعرا میں سے بھی دو ایک ہی ہوتے ہیں جو اپنے عصر میں اپنے منفرد ہونے کا مستحکم ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اکبر معصوم ؔ ہمارے عہد کا ایسا ہی ایک نام ہے۔ جو کام انھوں نے چھوڑا ہے وہ بے حد وقیع ہے اور جس طرح کا شعری لہجہ اُن کی شناخت ہے، وہ آنے والے لمبے عرصے تک نو واردانِ سخن سرا کے لیے تخلیقی حدت اور ہمت کا سامان مہیا کرتا رہے گا اور ساتھ ہی ساتھ شائقینِ سخن کے ذوق کی تسکین کا سبب رہے گا۔"(۶)

اکبر معصوم ؔ کی چار کتب شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں دو اردو شعری مجموعے، ایک پنجابی شاعری کا مجموعہ اور ایک سندھی ناول کا ترجمہ ہے۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ "اور کہاں تک جانا ہے" کے نام سے ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا، جو شائع ہوتے ہی ادیبوں اور شعرا کے حلقے میں ان کی مضبوط شناخت کا حوالہ بن گیا۔ یہ مجموعہ ۷۲ غزلیات پر مشتمل ہے۔ اس کا دیباچہ نامور شاعر ظفر اقبال نے اور سرورق اشفاق احمد نے لکھا۔ ان کا دوسرا مجموعہ ۲۰۱۸ء میں رنگ ادب پبلی کیشنز، کراچی سے "بے ساختہ" کے نام سے شائع ہوا۔ اکبر اردو کے علاوہ پنجابی زبان کے بھی بہترین شاعر تھے ان کا پنجابی غزلیات پر مشتمل مجموعہ "نیندر پچھلے پہر دی" کے نام سے ۲۰۱۶ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ انھوں نے سندھی زبان کے نامور ادیب اور ناول نگار "آغا سلیم" کے مشہور ناول "ہمہ اوست" کا اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ انھوں نے "آصف فرخی" کے ایما پر کیا۔ مذکورہ بالا چاروں کتب کے علاوہ اکبر معصوم ؔ کا کلیات ان کے وصال کے بعد "گلِ معانی" کے نام سے رنگ ادب کراچی سے ۲۰۲۱ء میں شائع ہو چکا ہے، جس کے مرتبین "انعام ندیم" اور "کاشف حسین غائر" ہیں۔

اکبر معصوم ؔ بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ غزل ان کے مزاج سے فطری مناسبت رکھتی تھی۔ ان کے اردو شاعری کے دونوں مجموعے "اور کہاں تک جانا ہے" اور "بے ساختہ" میں تمام غزلیات ہی ہیں۔ اسی طرح ان کے پنجابی مجموعے "نیندر پچھلے پہر دی" میں بھی صرف غزلیات ہیں۔ اکبر کی غزلوں کی ایک بنیادی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے غزل کے مروجہ مضامین پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے ہاں نئے نئے مضامین اور تجربے پائے جاتے ہیں ان کی شاعری احساسات، تجربات اور عزم و حوصلے کی آئینہ دار ہے۔ اکبر کے مجموعے "انیندر پچھلے پہر دی" کے دیباچے میں ظفر اقبال لکھتے ہیں:

> "بلاشبہ اکبر معصوم ؔ کی آواز ایک مستقیم اور مستحکم آواز ہے۔ ایک آواز تو وہ ہوتی ہے جو اپنی انفرادیت کے زور پر دوسری سب آوازوں کو چپ کروا کر اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے جبکہ اکبر معصوم ؔ جیسی آواز اپنا جادو آہستہ آہستہ جگاتی ہے۔ پھر یہ عجیب بات ہے کہ اس میں مبتدی شاعروں والی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ پختگی اور بلوغت ہے کہ جہاں تہاں رچی بسی نظر آتی ہے، تازہ کاری ہے کہ قدم قدم پر آپ کو پکڑ لیتی ہے۔ ان اشعار میں آپ کو ایک ایسے گداز سے واسطہ پڑے گا جو اس گداز سے یقیناً مختلف اور تنو مند ہے جس کے خلاف کبھی ہم نے بغاوت کی تھی۔ جذبے کو اس نے تخلیقی سطح پر تہذیب کیا ہے جو کہ جدید غزل کی ایک اہم ضرورت اور تقاضا ہے۔"(۷)

اکبر کی ایک اور خوبی نئے نئے مضامین کو غزل میں شامل کرنا ہے۔ مضامین کا تنوع انھیں ہم عصر شعرا سے منفرد کرتا ہے۔ بالالفاظ دیگر اکبر کا مطمع نظر تنگ اور محدود نہیں ہے۔ شمیم حنفی اکبر معصوم ؔ کی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اکبر معصومؔ نے بھی اپنے زمانے کی شعری روایت پر بہت پائدار نقوش ثبت کیے ہیں یہ شاعری اپنی روایات روایت کا حصہ ہونے کے باوجود اپنی انفرادیت سے پہچانی جاتی ہے اگر معصومؔ کی غزل اپنے ہم عصروں کی غزل سے الگ اپنا ایک منفرد جمالیاتی ذائقہ بھی رکھتی ہے اکا دکا مماثلتوں کے ساتھ ساتھ ہمارے دور کی غزلیہ شاعری میں کم و بیش ہر غزل گو کہ یہاں مضامین کی تکرار کا عنصر نمایاں ہے اکبر معصومؔ کی شاعری میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں مگر ہر فطری اور باکمال غزل گو کی طرح ان کا طرز احساس ہمیشہ تکرار کے عنصر کو دبا دیتا ہے یا اس پر ایک پردہ سا ڈال دیتا ہے۔اسی لیے مجموعی طور پر وہ صرف ایک مانوس اور جانے پہچانے تجربوں سے بھری ہوئی دنیا کے شاعر نہیں ہیں وہ ہمیں ایک جہان نامعلوم کا راستہ بھی دکھاتے ہیں۔"(۸)

ان کی شاعری کی ایک اہم خصوصیت سہل ممتنع ہے۔ ان کی غزل کو بجا طور پر خاص و عام میں مقبولیت حاصل ہوئی،وہ غزل کی ہر اس رمز سے آگاہ تھے جو شعر کو شعر بنانے کے لیے ضروری سمجھی جاتی ہے۔سلاست اور سہل ممتنع سے متصف اشعار ان کی تخلیقی زندگی کے ایسے اچھوتے ماحول اور نقوش کا پتا دیتے ہیں جو میرؔ کی روایتِ غزل کا تسلسل بھی ہے اور معاصر شعری منظر نامے میں ایک قابل قدر اضافہ بھی۔(۹) اشفاق احمد لکھتے ہیں:

"اکبر معصوم کی غزلیں سادہ ہی نہیں بہت سادہ ہیں،اور بے حد عام فہم ہیں۔لیکن ان کے اندر گنجینۂ معنٰی کا وہ طلسم موجود ہے جو قاری کو اپنی سادگی اور بے ساختگی کی بنا پر پلک جھپکنے نہیں دیتا۔میرے خیال میں سہل ممتنع کی ترکیب ان من موہنی غزلوں کو لیے بہت بھاری ہے،اس کے لیے کوئی اور آراستگی وضع کرنے پڑے گی کہ اکبر کا مزاج بھولا ،طبیعت معصومؔ اور شاعری سادہ مزاج اور سادہ خو ہے۔(۱۰)

ہر شاعر کے ہاں ایسے چند اشعار ضرور پائے جاتے ہیں مگر اکبر کی ہر غزل یا اکثر غزلیات میں کوئی نا کوئی ایسا شعر ضرور ہوتا ہے جو سہل ممتنع کی اصطلاح کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہو۔مثال ملاحظہ ہو،

میں بتاتا ہوں اپنا روگ تجھے مجھ کو دنیا سے پیار ہے بھائی
(گلِ معانی:ص ۱۰۱)

سنو یہ آدمی بچ کر نہ جائے محبت کو عبادت کہہ رہا ہے
(گلِ معانی: ص ۲۰۶)

ضروری نہیں خود کشی کیجیے ہماری طرح زندگی کیجیے
ہیں معصومؔ پہلے ہی دشمن بہت ذرا دوستوں میں کمی کیجیے
(گلِ معانی: ص ۱۷۴)

اکبر معصومؔ کی شاعری کی ایک اور انفرادیت سادگی اور برجستگی ہے۔ان کے کلام میں سادگی اور برجستگی ایسی ہے کہ ہر غزل میں ایک دو اشعار ایسے ہوتے ہیں جو صرف ایک دو بار پڑھنے سے دماغ پر نقش اور زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔

اپنی طرف بھی دیکھ اگر دیکھتا ہے تو سورج مکھی کے پھول کدھر دیکھتا ہے تو
(گلِ معانی:ص ۱۹۲)

پھول بھی بھیجتا ہے تحفے میں تیر جس کی کماں سے آتے ہیں
(گلِ معانی:ص ۶۴)

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

سارے عالم پر چھلک گیا میں بھرا ہوا ویرانی سے
(گلِ معانی: ص ۱۹۷)

پھول ہاتھوں میں پاؤں میں زنجیر دیکھ لائے گئے ہیں تیرے اسیر
(گلِ معانی: ص ۱۶۹)

دنیا سے مجھ کو اتنی محبت ضرور ہے بارش میں بھیگتا ہوں نہاتا نہیں ہوں میں
(گلِ معانی: ص ۱۳۶)

اکبر معصوم کہیں کہیں تجاہل عارفانہ سے بھی اپنی غزلیات میں رنگینی پیدا کرتے ہیں۔ایک مثال ملاحظہ ہو،

گل تو اس خاک داں سے آتے ہیں رنگ ان میں کہاں سے آتے ہیں
باہر آتے ہیں آنسو اندر سے اندر جانے کہاں سے آتے ہیں
(گلِ معانی: ص ۶۴)

اکبر کی شاعری کی ایک اور انفرادیت واحد متکلم کا استعمال ہے۔ وہ اپنی صلاحیتوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ مگر سانگھڑ ایک چھوٹا شہر ہے اور ادبی ذوق رکھنے والے لوگ بھی کم تھے۔ لہذا جس طرح اکبر معصوم کی قدر کا حق تھا یہاں کے لوگ اس طرح اسکی قدر نہ کر سکے۔ ان کے اشعار میں کئی جگہ اس شکوے کا اشارہ بھی ملتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ اپنے اشعار میں قاری کو اپنی اہمیت کا احساس بھی دلاتے ہیں۔ مثال ملاحظہ ہو،

دمکتی ہے باہر سے دنیا بہت مگر اس نگینے کے اندر ہوں میں
(گل معانی: ص ۱۲۷)

آج کل تو کسی صدا کی طرح اپنے اندر سے آرہا ہوں میں
(گلِ معانی:ص ۱۳۶)

لاتا ہوں سخن پاتال سے میں لکھتا ہوں کہاں آسانی سے
(گلِ معانی:ص ۱۹۸)

تر بہ تر ہو رہی ہے روح میری صرف باہر سے نم نہیں ہوں میں
دیکھ لے آب و تاب کھول کر بھی اپنی قیمت سے کم نہیں ہوں میں
(گلِ معانی: ص ۵۱)

لفظوں میں بھلا کیا ہے معانی کے علاوہ میں کچھ بھی نہیں ایک کہانی کے علاوہ
(گلِ معانی: ص ۶۳)

سر اٹھا تا ہوں اسی خاک کی دشواری پر اب مجھے دیکھ میں آیا ہوں نمو داری پر
(گلِ معانی: ص ۵۰)

کہیں کہیں وہ اپنی معذوری کا ذکر بھی ڈھکے چھپے الفاظ میں کرتے ہیں۔ وہ شخص جس نے پوری زندگی ویل چیئر پر بیٹھ کر گزاری ہو اس کا درد کتنا بڑا ہو گا۔ اس طرح کی مشقتوں سے لبریز زندگی میں مایوسی، تشکیک، خوف، اور بے یقینی جیسے جذبات کوئی تعجب کی بات نہیں، تاہم ان کی شاعری سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی معذوری کو بھی ہمت و حوصلے کے استعارے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ بقول شاہدہ حسن:

***AL-AASAR Journal***
**Quarterly *Research Journal***
***www. al-aasar.com/***

***Vol. 2, No. 1 (2025)***
**Online ISSN: 3006-693X**
**Print ISSN: 3006-6921**

"اکبر معصوم آک سادہ و منکسر المزاج، بے حد حساس اور خوددار انسان تھے۔ زندگی کی سفاک حقیقتوں کو قلم بند کرتے ہوئے ان کے تلخ ذائقوں کو اپنی گردش خیال میں یوں جذب کر لیتے تھے کہ ان کے شعری اظہار میں ایک جاذبیت اور انفرادیت پیدا ہو جاتی تھی۔ زندگی سے انھوں نے جو کچھ اخذ کیا، جو کبھی دکھ سکھ جھیلے، ان ساری خواہشات و خواب، محسوسات اور ردعمل کو بہت سچائی کے ساتھ لکھا۔ اسی لیے ہم ان کی شاعری سے سرسری نہیں گزر سکتے۔"(۱۱)

ان کی شاعری میں درد والم کی دھیمی دھیمی کسک موجود ہے۔ ان کے وہ اشعار جن میں غم واندوہ کا ذکر ہے وہ بھی دھیما دھیما غم کا تاثر پیش کرتے ہیں۔ ان کے غم میں شدت نہیں بلکہ لطف اور چاشنی کے ملے جلے جذبات نظر آتے ہیں۔

کتنے کام کیے ہیں کچھ بھی کیے بغیر
سارا جیون بیت گیا جیے بغیر
(گلِ معانی: ص۷۵)

کوئی اڑنے کو آسمان نہیں
یا پروں میں ہی تیرے جان نہیں
(گلِ معانی: ص۲۱۰)

دریچہ کھلا ہے بیابان کا
کہ ہے چاک میرے گریبان کا
(گلِ معانی: ص۲۱۵)

حال دل کا عجیب ہے معصومؔ
کیا سپرد قلم کیا جائے
(گلِ معانی: ص۲۱۸)

بجھ سے جاتے ہیں ستارے معصومؔ
آہ جب سوئے فلک جاتی ہے
(گلِ معانی: ص۲۲۲)

اس کے سوا کوئی مجھے آزار نہیں
جو مجھ کو میسر ہے وہ درکار نہیں
(گلِ معانی: ص۸۶)

اکبر کے اکثر اشعار پر تاثیر ہیں۔ یوں لگتا ہے خیالات کسی خاص نہج سے بہہ رہے ہوں۔ مطالعہ فطرت، جذبات واحساسات اور واردات قلبی کو بڑے موثر اور دلکش انداز سے پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو،

ایک آسان زندگی کا ہنر
اک مشقت کے بعد آیا ہے
(گلِ معانی: ص۶۷)

اگر کسی شے کو بھی ثبات نہیں
پھر تو الجھن کی کوئی بات نہیں
(گلِ معانی: ص۷۷)

ایسا منظر دیکھنے والا ہوتا ہے
جس منظر کو دیکھنے والا کوئی نہ ہو
(گلِ معانی: ۸۰)

اکبر بڑی غزلوں کی بہ نسبت چھوٹی بحروں کا بخوبی استعمال کرتے ہیں، چھوٹی بحروں میں لکھی غزلیں بہت عمدہ اور رواں ہیں

وہ رنگ رہا جب تک
آہنگ رہا جب تک
ہم شیشہ بنے رہے
وہ سنگ رہا جب تک

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com/

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

جب تک نہ چھوا ،اس کو بے رنگ رہا جب تک
وہ مجھ پہ کھلا رہا میں تنگ رہا جب تک
(گلِ معانی: ص ۱۷۳)

ان کی شاعری میں حسن وعشق کی واردات، محبوب کی جدائی کا الم، محبوب کا تصور،اور غمِ دوراں کے ساتھ غمِ جاناں جیسے مضامین کی کثرت پائی جاتی ہے۔درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں،

دلبر ہے دلدار ہے دل — دیکھ تو کیا تہہ دار ہے دل
بیچ میں آنکھیں پڑتی ہیں — سات سمندر پار ہے دل
جتنا ہی کار آمد ہے — اتنا ہی بے کار ہے دل
(گلِ معانی: ص ۸۷)

اس کو مقصود ہلاکت تھی مری سو اس نے — مجھ کو معمور کیا میری نگہداری پر
وہ آشنا تو ہوگا کبھی اپنے آپ سے — اپنی مہک کبھی تو کھلے گی گلاب پر
(گلِ معانی: ص ۵۰)

خوشی نہیں غم پڑتا ہے — تب دل میں دم پڑتا ہے
آخر ہجر کی راتوں میں — کیوں اتنا نم پڑتا ہے
(گلِ معانی: ص ۲۰۸)

آپ سنتے نہیں ہیں بات کوئی — اور خموشی مری زبان نہیں
خاک کا اور خاک ہوجانا — کیا ہماری ہی داستان نہیں
(گلِ معانی: ص ۲۱۰)

اس کی تصویر چمک جاتی ہے — سانس سینے میں اٹک جاتی ہے
زلف لہراتی ہے رخ پر اس کی — رات سی دن پہ چھلک جاتی ہے
اب یہ عالم ہے کہ بس یاد اس کی — دل کے اندر ہی دھڑک جاتی ہے
(گلِ معانی: ص ۲۲۲)

اکبر معصومؔ اپنی انفرادیت کے باعث نسلِ نو کے تازہ فکر شعرا میں نمایاں حیثیت کے حامل ہیں ان کی غزل جداگانہ اسلوب کی حامل ہے۔بقول افتخار عارف وہ ایک مکمل شاعر تھے۔(۱۲)

**حوالہ جات**

۱۔غلام مصطفیٰ تبسم،تذکرہ شعرائے اردو :سانگھڑ(ٹنڈوآدم: حلقہ یارانِ سخن، ۲۰۱۴ء)، ص۸۹۔

۲۔محمد سلیم الرحمان،خود ترحیمی سے ماورا مشمولہ گلِ معانی،(کراچی: رنگ ادب پبلی کیشنز، ۲۰۲۱)، ص۱۵۔

۳۔ایضا

۴۔سیمان کی ڈائری،معروف شاعر اکبر معصومؔ کی رحلت پر اہلِ ادب کے تاثرات(کراچی: جسارت،سنڈے میگزین، ۱۴اپریل

**AL-AASAR Journal**
**Quarterly *Research Journal***
*www. al-aasar.com/*

***Vol. 2, No. 1 (2025)***

Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

۲۰۱۹ء)، ص ۱۳۔

۵۔ لطیف حیدر، مصاحبہ، بمقام سانگھڑ، مورخہ ۲۱ جنوری، ۲۰۲۵ء۔

۶۔ سیمان کی ڈائری، معروف شاعر اکبر معصومؔ کی رحلت پر اہلِ ادب کے تاثرات ، محولہ بالا، ص ۱۳۔

۷۔ ظفر اقبال، دیباچہ مشمولہ نیندر پچھلے پہر دی (لاہو: پنجاب انسٹیٹیوٹ آف لینگویج، آرٹ اینڈ کلچر، ۲۰۱۶ء)، ۷۔

۸۔ سیمان کی ڈائری، معروف شاعر اکبر معصومؔ کی رحلت پر اہلِ ادب کے تاثرات، محولہ بالا، ص ۱۳۔

۹۔ ایضا

۱۰۔ اشفاق احمد، سرورق، اور کہاں تک جانا ہے (کراچی: فضلی سنز، ۲۰۰۰ء)۔ سرورق۔

۱۱۔ سیمان کی ڈائری، معروف شاعر اکبر معصومؔ کی رحلت پر اہلِ ادب کے تاثرات ، محولہ بالا، ص ۱۳۔

۱۲۔ ایضا

**کتابیات:**

۱۔ تبسم، غلام مصطفی۔ تذکرہ شعرائے اردو: سانگھڑ۔ ٹنڈو آدم: حلقہ یارانِ سخن، ۲۰۱۴ء۔

۲۔ معصومؔ، اکبر علی۔ اور کہاں تک جانا ہے۔ کراچی: فضلی سنز، ۲۰۰۰ء۔

۳۔ معصومؔ، اکبر علی۔ نیندر پچھلے پہر دی۔ لاہور: پنجاب انسٹیٹیوٹ آف لینگویج، آرٹ اینڈ کلچر، ۲۰۱۶ء۔

۴۔ معصومؔ، اکبر علی، گلِ معانی (کلیاتِ اکبر معصوم) مرتب انعام ندیم، کاشف حسین غائر۔ کراچی: رنگ ادب پبلی کیشنز، ۲۰۲۱ء۔

۵۔ روزنامہ جسارت، سنڈے میگزین۔ کراچی: مورخہ ۱۴ اپریل ۲۰۱۹ء۔